ب خیال فرمائے کہ کانشنس پر ایسے جبر کرنے والوں سے سوال ہے کہ اور کیا اُمید ہو سکتی ہے کہ محض بدگمانی کی راہ سے اوروں پر اس طور سے الزام لگا دیں۔ اڈیٹر

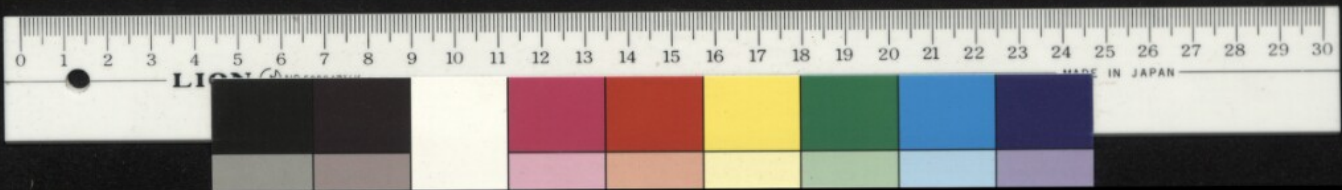
تھا۔ اور اگر بضرورتِ اشد کوئی کہیں جاتا بھی تھا تو وہ پروانہ راہداری حاصل کر لیتا تھا یہ پروانہ سرکاری ایجنٹ کے دستخط سے مستند سمجھا جاتا تھا۔ پس گولک ناتھ صاحب نے بھی پروانہ راہداری حاصل کیا اور پھلور کو روانہ ہوئے۔ پھلور پہنچے تو ان کو مطلق خیال نہیں تھا کہ مجھکو یہاں کیا کیا تکلیفیں پیش آئینگی وہ اس دھن میں مست تھے کہ جس طرح بن پڑے کسی نہ کسی طرح پنجاب میں پہنچیں۔ چنانچہ پھلور پہنچکر انہوں نے بہادر سپاہی کی طرح انجیل کی منادی شروع کی۔ اور انجیل کے روشن چراغ کو ہاتھ میں لے کر غیر قوموں کی مذہبی تیرگیوں کے دور کرنے میں مردانگی کی داد دی۔ یہاں انہوں نے مذہبی کتابیں لوگوں میں مفت تقسیم کرنی شروع کیں۔ اور مذہب عیسوی کی اشاعت میں حیرت انگیز سرگرمی دکھائی۔ گولک ناتھ کا یہ بھی ایک خاصہ پایا جاتا تھا۔ کہ انہوں نے جو روشنی حاصل کی تھی اُس کو اپنی ذات تک ہی محدود نہیں ہنے دیا بلکہ اُس کی شعاعوں کو عام لوگوں تک پہنچایا۔ اُن کی نظر میں سچائی ایک ایسا گوہر نایاب تھا کہ وہ جتنی الوسع دوسروں کو بھی اُس کی چمک دمک سے فیضیاب کرنا چاہتے تھے یعنی سچائی نے اُنمیں ایک ایسی تبدیلی پیدا کر دی تھی کہ وہ خواہ مخواہ بھی اس کو ظاہر کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ عیسائی ہونے کے بعد ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے سچے مذہب کی حمایت اور اشاعت کے لئے کچھ نہ کرتے اور اسی لئے وہ ہمیشہ خدا کے لئے کچھ کرتے ہی رہے تھے۔ در اصل دینداروں کا حقیقی اور محفوظ راستہ بھی یہی ہے دینداری اقبول شخصے اُس ہوا کے جھونکے کی مانند نہیں جو گزار میں نکل کر کبھی کبھی دماغ کو معطر کرتی ہے اور نہ اُس دمدار ستارہ کی مانند ہے جس کی جھلک چند روزہ ہے بلکہ حقیقی دینداری آفتاب کی روشنی کی مانند ہے جس سے ہر وقت اور ہر آن دنیا مفید اور مستفیض ہوتی ہے۔

سوانح عمری

پادری گولک ناتھ صاحب مرحوم

ہزاروں حسرتیں ایسی کہ ہر حسرت پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان و لیکن پھر بھی کم نکلے

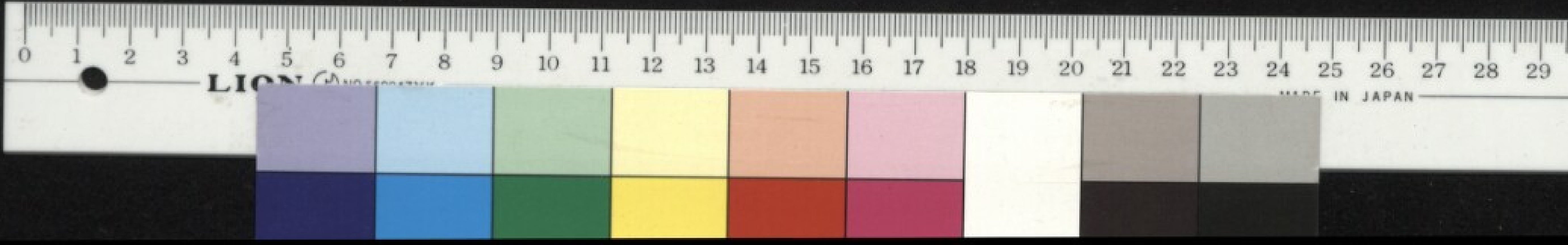
احباب کی پُرزور فرمایشوں کے ساتھ میرے خیال میں بھی ضروری معلوم ہوا کہ پادری گولک ناتھ صاحب مرحوم کی سوانح عمری قلمبند کی جاوے کیونکہ پادری صاحب اُن بے نظیر خوبیوں اور فضایل سے (جو ایک سچے مسیحی کے لئے ضروری سمجھی گئی ہیں) موصوف ہونے کے علاوہ وہ پہلے ہندوستانی مسیحی تھے جو مسیحی مذہب کی اشاعت میں پوری سرگرمی اور دلی گرمجوشی سے کام کرنے میں آجتک ضرب المثل ہیں۔ اس سے پہلے صاحب موصوف کی دو سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں جن میں سے ایک تو اردو میں جناب پادری رجب علی صاحب کی تصنیف کی ہوئی ہے اور جو غالباً ابتک شایع نہیں ہوئی۔ اس سوانح عمری میں سے جو حالات مجھکو چند دوستوں کی وساطت سے معلوم ہوئے ہیں اُن کی نسبت میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ مرحوم کی شان میں مبالغہ آمیز اور آنجناب



کے حسن اخلاق پر مبنی ہیں۔ دوسری سوانح عمری بنگالی زبان میں ہے جو "حسن جبین اخبار" کے ذریعے شایع ہوئی ہے۔ اس میں بھی تو بہت سی باتیں ایسی ہیں جو حق پر مبنی نہیں۔ نہ فقط مبالغہ آمیز ہیں بلکہ من گھڑت بھی معلوم ہوتی ہیں۔ اس سوانح عمری کی طرز تحریر بالکل ایک ناول کی سی ہے جس میں مؤلف نے گولک ناتھ کو اس ناول کا ہیرو قرار دیکر ناول نویسی کا خاصہ حق ادا کر دیا ہے۔ مذکورہ بالا کتابوں کے لکھنے اور شایع ہونے سے کم از کم اتنا تو صاف ثابت ہے کہ پادری صاحب مرحوم کے اصل حالات زندگی کے معلوم ہونے اور اُن کی ایک ایسی سوانح عمری کے لکھے جانیکی جس کے واقعات حق پر مبنی ہوں پبلک میں کیسی عام دلچسپی اور شوق پایا جاتا ہے۔ علاوہ بریں ۱۹۱۲ء کے جلسہ سینٹ کے انعقاد کے موقعہ پر تحریک ہوکر قرار پا چکا تھا کہ بزرگ پادری صاحبان نیوٹن و گولک ناتھ کی سوانح عمریاں لکھی جاویں لیکن تاحال اس پر عملدرآمد نہیں ہوا۔ لہٰذا اِن وجوہات پر بھی مجھے اور ضروری معلوم ہوا کہ پادری صاحب کی پاک زندگی کے صحیح صحیح حالات پوری تحقیق اور تنقیح سے اُن کی اصلی صورت میں لکھکر پبلک کے پیش کروں۔ لیکن یاد رہے کہ میری معلومات کا ماخذ یا تو مرحوم کی خاص اپنی زبان سے فرمائی ہوئی باتیں ہیں جو وقتاً فوقتاً مرحوم نے خاکسار کو بتلائیں۔ یا اُن معتبر دوستوں اور بزرگوں کے مستند بیانات ہیں جو عموماً مرحوم کے ہر حال میں شریک اور دمساز رہے ہیں۔ اس لئے قوی اُمید ہے کہ جو کچھ اس میں لکھا جاوے گا۔ وہ یقینی اور واقعی ہوگا نہ ظنی اور بناوٹی۔ و باللہ التوفیق +

پادری صاحب نے اپنے ذاتی مصائب اور تکالیف کے بارے میں اول تو کچھ بتلانا ہی مناسب نہیں سمجھا اور اصرار بلیغ کے ساتھ اگرچہ کچھ بتلایا بھی ہے تو وہ اتنا ہے جیسے دریا میں سے قطرہ۔ کیونکہ مرحوم زندگی بھر راضی برضا کے مسلک پر چلتے اور ہمیشہ دنیاوی

کو اپنا قسیس مقرر کیا۔ اس وقت ممبران کی تعداد اٹھارہ تک پہنچ گئی تھی۔ مگر اس میں سبالو کے ممبر بھی شامل تھے۔ الڈری کا کام انہوں نے خاطر خواہ طور پر انجام دیا۔ ۱۸۴۳ء میں لودیانہ مشنری کے جلسے کے موقعہ پر گولک ناتھ الڈری کی حیثیت سے بطور ممبر شریک ہوئے۔ اس وقت انہوں نے پریسبٹیری سے دورہ پنجاب کی اجازت مانگی۔ یہ وہ ایّام تھے جبکہ سکھوں کی پہلی لڑائی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور مہاراجہ دلیپ سنگھ کے عہدنامہ مورخہ ۹۔ مارچ ۱۸۴۶ء کے رو سے۔ دوابہ بست جالندھر بسبب حمایت سرکار انگلشیہ قرار پا چکا تھا۔ دوابہ مذکور کے باشندوں کی حالت بگڑ چکی تھی۔ حب الوطنی اور بہادری کا نام تک نہ رہا تھا۔ ہر ایک کے دل میں خود غرضی۔ کاہلی۔ آرام طلبی جاری تھی۔ ادھر خالصہ سپاہ کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ عالم بدحواسی میں جھگڑے چھوٹ رہے تھے لوگوں کو اپنی اپنی پڑی تھی۔ چنانچہ سردار جواہر سنگھ مہاراجہ دلیپ سنگھ کا چچا اور وزیر بڑی بے رحمی سے قتل کیا گیا اور اُس کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ بلکہ یہاں تک بیان کیا گیا ہے۔ کہ جس وقت وزیر مذکور کی لاش مرگھٹ کی طرف لیجا رہے تھے۔ اور اُس کی رانیاں حسب قاعدہ مذہب اپنا نقدو جنس اور جواہرات وغیرہ خیرات کے ارادہ سے خدمتگاروں سے اٹھوائے ہوئے ہمراہ تھیں۔ جاہل اور سفاک سپاہیوں نے نہایت ہی بے رحمی سے انکا سارا مال و متاع۔ رستے ہی میں لوٹ لیا اور چتا پر چڑھتے چڑھتے اُن کا وہ زیور بھی جو مذہبی طور پر اُنہوں نے پہنا ہوا تھا گھسوٹ لیا۔ حتّٰی کہ آگ میں سے اُن قیمتی چیزوں کو بھی جو لباس میں ٹکی ہوئی تھیں ڈھونڈ ڈھانڈ کر نکال لیا۔ اُن دنوں دریائے ستلج سے صحیح و سالم عبور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ کیونکہ وحشی سپاہیوں کی لوٹ گھسوٹ کا ہر دم خطرہ لگا رہتا تھا۔ اول تو کوئی سفر کے نام ہی سے کانوں پر ہاتھ رکھتے



بھی یہہ نہیں تھا کہ وہ مسیحی تھے۔ کیونکہ وطن چھوڑنے اور کچھ عرصہ بعد تک بھی وہ ایک متلاشیانہ حیثیت ہی میں رہے تھے۔ وہ وطن سے بھی نکلے تو محض اس لئے کہ جس طرح ہو سکے سچائی کو معلوم کریں۔ خدا کی مرضی کو پہچانیں۔ علاوہ ازیں خانگی معاملات کے جھگڑوں میں اُن کی طبیعت اُچاٹ ہو چلی تھی۔ گھر میں ان کو دنیاوی عیش و آرام کے سامان تو کافی مہیا تھے مگر اُن کی دلی پیاس بجھانے کے لئے ایک ایسے آبحیات کی ضرورت تھی جو وہاں موجود نہیں تھا اور اسی لئے ان کو اسی چشمے کی تلاش میں آوارہ دشتِ غربت ہونا پڑا۔ خدا کی ربوبیت بھی ایک عجیب صفت ہے کہ سچے متلاشی کو اندر ہی اندر نامعلوم طور پر اپنی طرف کھینچتی اور رہنمائی کرتی ہے یہاں تک کہ مختلف تبدیلیوں اور انقلابات کے بعد انجام کار اسکو غایت مطلوب اور صراطِ مستقیم کی طرف کھینچ ہی لاتی ہے۔ اسی ربوبیت کی تشریح گولک ناتھ نے بھی اپنی کتاب متلاشی دین میں واضح طور پر کر دی ہے +

غرضکہ عیسائی ہونے کے بعد سنہ ۱۸۴۷ء تک وہ مشن کے تعلیمی سلسلے میں معاون رہے ان ہی ایام میں جبکہ لودیانہ پرسبٹیری قایم ہو چکی تھی۔ پنجاب میں صرف لودیانہ ہی کی ایک کلیسیا تھی جس کے فقط چھہ رکن تھے۔ اس کلیسیا کا الڈر (قسیس) ایک امریکن مارس نامی تھا۔

پادری نیوٹن صاحب اس وقت کلیسیا کے قایمقام پاسٹر مقرر ہوئے اور گولک ناتھ صاحب زیر نگرانی پرسبٹیری لئے گئے۔ اور ان کو ہدایت ہوئی کہ پادری صاحب موصوف کے ساتھ ملکر مذہبی کتب کا مطالعہ کریں سنہ ۱۸۴۱ء میں پادری صاحب کے کلیسیا نے منصب پاسبانی قبول کرنے کی استدعا کی سنہ ۱۸۴۲ء میں پاسٹر مقرر ہوئے سنہ ۱۸۴۴ء میں کلیسیا نے گولک ناتھ صاحب

رنج و راحت کو ہیچ اور بے وقعت محض سمجھتے رہے۔ وہ دکھ سکھ میں۔ خدا کے شکر گذار رہے اور پورے صبر و استقلال سے ہر ایک دنیاوی تکلیف کے لئے سینہ سپر ہی رہے ہر وقت ہشاش بشاش نہ شکوہ نہ شکایت۔ خدا کی رضا جوئی میں کسی سخت سے سخت تکلیف اور انسانی حوصلے کو پست کر دینے والی مصیبت کو سرے سے اُنہوں نے محسوس ہی نہیں کیا گلہ اور شکایت تو رہا ایک طرف پس ناظرین خوب سمجھ سکتے ہیں کہ بھلا ایسے صابر شاکر خدا کی مرضی میں محو ہو جانے والے آدمی سے اُس کی تکالیف کا پتہ ملنے کی کیا خاک اُمید ہو سکتی ہے بہر حال ان کی تکالیف کا ذکر بھی جو کچھ معلوم ہو سکیں مفصل ہر اپنے سلسلے میں آیندہ آئیگا +

اُن کی زندگی کے حالات پر جس قدر غور و تعمق سے کام لیا جاتا ہے اُسی قدر حیرت بڑھتی ہے اور آخر کار سوچنے سے ایک ایسی کیفیت معلوم ہوتی ہے کہ انسانی عقل کچھ کام نہیں کر سکتی۔ اُن کا اپنے عزیز و اقارب اپنے وطن و اہل وطن کو چھوڑ چھاڑ پنجاب میں تشریف لانا اور پھر ایسے وقت میں جبکہ پنجاب کی دینی اور اندرونی حالت سخت ناگفتہ بہ ہو رہی تھی۔ جبکہ ہر ایک قسم کے فواحش اور برائیوں کو سرے سے گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا تھا خواہ مخواہ سوچنے والے کو اس سوال پر مجبور کریگا کہ یہہ سب کیوں اختیار کیا گیا۔ وہ کونسی ایسی ضرورت او کشش تھی جو مذکورہ بالا تعلقات کو قطع کر کے اُن کو پنجاب میں کھینچ لائی کیا کوئی جاہ طلبی یا عیش و آرام کا خیال اُن کو پنجاب میں لایا؟ جیسا کہ آگے چلکر واضح ہو گا صاحب موصوف کا وہ زمانہ دنیاوی جھگڑوں میں پھنسنے کا زمانہ نہیں تھا خصوصاً جب کہ اُنہوں نے اپنا گھر بار چھوڑا اُس وقت آپکی عمر سترہ ہی برس کی تھی گویا کہ قریبًا نابالغ سمجھئے۔ اور اس لئے اظہر من الشمس ہے کہ والدین کے ہوتے ہوئے

دنیاوی عیش و عشرت کے متعلق وہ کونسی ضرورت باقی رہ سکتی تھی جس کو وہ وطن پر پوری طرح حاصل نہ کر سکتے تھے اور پھر جب اس بات پر غور کیا جاتا ہے کہ آپکے والد جو ماشاءاللہ بنگال کے متمول رئیس اور ایک چاء کے باغ کے مالک تھے تو اس خیال کی اور بھی وقعت گھٹ جاتی ہے کہ انہوں نے سفر کی تکلیفیں محض تن آسانی یا دنیاوی جاہ طلبی کی خاطر جھیلیں اور پردیس کی غرض یہہ تو کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے کسی دنیاوی لالچ سے سفر کو حضر پر اختیار کیا ہو۔ اس سوال کا اگر کوئی شافی اور صحیح جواب ہو سکتا ہے تو وہ یہہ ہے کہ وہ مامور من اللہ ہوکر ایک خاص خدمت کی بجاآوری کے لئے جس کی اندرون پنجاب جیسے ملک کے لئے نہایت سخت ضرورت تھی تشریف لائے۔ اور خدا نے بھی جیسا آیندہ ظاہر ہوگا اُن کو اس کام میں خاطر خواہ کامیابی اور برکت بخشی اور ہر ایک حالت میں انکی ہدایت اور راہنمائی کی ؞

صاحب موصوف کے اعلیٰ کارناموں کے بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب اور اُس میں مسیحی مذہب کے آغاز کی تاریخ کا کچھ مختصر سا تذکرہ کیا جاوے۔ واضح ہو کہ پنجاب میں مسیحی مذہب کا آغاز ۱۸۳۴ء میں ہوا شمالی ہندوستان کی پہلی پریسبٹیری تین ممبروں کی شمولیت سے ۱۸۳۶ء میں قایم ہوگئی۔ ہمارے ہر دلعزیز اور بزرگ پادری نیوٹن صاحب بھی اس میں شامل تھے لیکن یہہ پریسبٹیری جو سہارنپور پریسبٹیری کے نام سے موسوم ہوئی خلاف ضابطہ قایم ہوئی تھی۔ کیونکہ بموجب قواعد جو اُس وقت رایج تھے پریسبٹیری کے ہر ایک جلسہ میں کم از کم تین ممبروں کا اجلاس ضروری تھا۔ اُن مشنریوں میں سے جو ۱۸۳۶ء میں ہندوستان میں تشریف لائے۔ اُن میں سے تین تو مقرر کردہ قسیس ہی نہ تھے۔ بلکہ وہ

شکل و شباہت سے وجیہہ معلوم ہوتے تھے۔ ہاتھ میں ایک چھوٹی سی انگریزی انجیل تھی یہاں پر جب اُن کی سرگذشت سُنی گئی اور ان کے بیانات کی صحت کا کُلّی یقین ہوگیا۔ تو رہایش کے لئے انہیں ایک کمرہ دیا گیا۔ اور انجیل کے مطالعہ اور اس پر مزید غور کرنے کے لئے ان کی توجہ دلائی گئی۔ اُس وقت ان کی عمر جبکہ انہوں نے بپتسمہ پایا اُنیس ہی برس کی تھی ان کے واقعات زندگی سے ظاہر ہو کہ ان کی طبیعت مطلق دنیا کے ڈھب کی نہ تھی وہ دنیاوی خواہشوں اور جذبات کو ہیچ اور بے وقعت محض سمجھتے تھے ان کو اگر کسی چیز کی تلاش تھی تو وہ خدا کی ذات تھی اور بس۔ انکا عمل مسیح کے اس قول پر تھا کہ "پہلے خدا کی راستبازی کو ڈھونڈو تو باقی چیزیں تمکو دی جاوینگی" دُنیا میں دو ہی قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں ایک تو وہ جو آل کار سے بیفکر ہیں۔ ان میں دینداری کی بو تک نہیں اور موجودہ دنیاوی تعلق کو ہی اپنی زندگی کی علت غائی سمجھتے ہیں۔ اور عاقبت کا مطلق خیال نہیں کرتے دوسرے وہ لوگ ہیں جو تفکر اور تدبر سے کام لیتے اور دینی خیالات کو ہمیشہ نظر کے سامنے رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ حقیقی متلاشی ہوتے ہیں ان کے خدا کی رضا جوئی میں محو ہو جانے والے دل کو دنیاوی باتوں سے ذرہ تسلی نہیں ہوتی یہی حال گولک ناتھ کا تھا کہ وہ اس وقت تک برابر خدا کی تجسس میں سرگرم رہا جبتک کہ اُس نے اُس کو نہ پالیا۔ علاوہ ازیں حقیقی متلاشی کی طبیعت تعصب سے خالی اور شہادت حقہ کی قبولیت کے زیور سے (خواہ وہ اُن کی طبیعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو) متحلّی ہوتی ہو سو گولک ناتھ صاحب بھی منجملہ ان بزرگوں کے ایک تھے۔ انہوں نے مسیحی مذہب کو بے سوچے سمجھے قبول نہیں کیا۔ بلکہ کافی غور و خوض کے بعد انہوں نے اس نازک جوئے کو اپنی گردن پر رکھا۔ اُن کے وطن چھوڑنے کا باعث

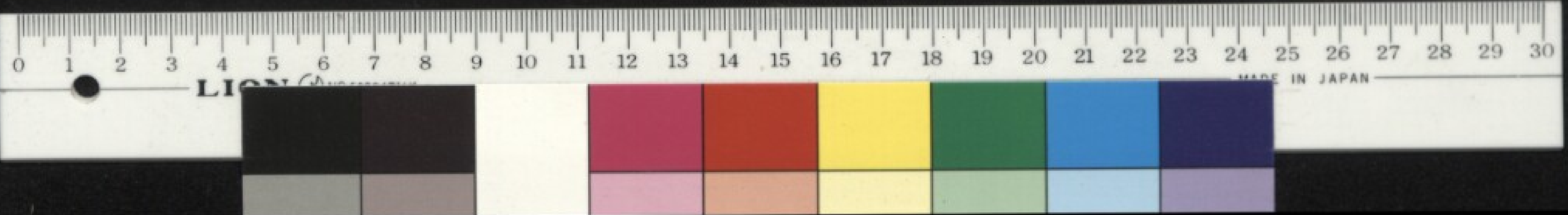




اور تکلیف پیش آتی تھی۔ صرف کلکتہ سے چند میل پرے برک پور تو سڑک تھی۔ آگے سڑک کے نام تک سے کوئی واقف نہ تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گولک ناتھ نے اپنے سفر کو اکثر پیادہ پا ہی طے کیا تھا۔ کہیں سادھو سنتوں کے جھونپڑوں میں۔ کہیں مہنتوں کے ڈیروں میں کہیں راہ کے باغیچوں میں کہیں سرائیوں کے دھرم سالوں میں ڈیرا جا لیا۔ الغرض گلی گلی کی خاک چھانی اور در در سر ٹکرایا۔ بہتیرا سادھو سنتوں کی سیوا کی۔ جوگیوں بن باسیوں کی خدمت میں دن کو رات اور رات کو دن کر دیا مگر آہ وہ امرت جل وہ در مقصود جس کی تلاش میں گھر سے بے گھر اور وطن سے جلا وطن ہوئے دنیاوی عیش و آرام پر لات مار کر بے خانمانوں کی طرح آوارہ دشت محن ہوئے تھے ہاتھ نہ آیا پر نہ آیا۔ اور آخر الامر با صد اندوہ و یاس حسرت بھرے دل کو پہلو میں لئے لئے پھرتے پھراتے کرنال میں آئے۔ یہاں پادری نیوٹن صاحب مسافر بنگلے میں ایک دو روز کے واسطے ٹھہرے ہوئے تھے جب گولک ناتھ کو خبر ملی تو وہ پادری صاحب کی ملاقات کے واسطے آئے۔ پادری صاحب نے انہیں صلاح دی کہ وہ لودیانہ میں آکر ملیں اسی اثنا میں ان کی بیوی کے مرجانے کی خبر جسکو وہ کلکتہ میں چھوڑ آئے تھے ملی۔ جس سے ان کے دل پر ایک بھاری صدمہ پہنچا۔ غریب الوطنی کی مصیبتیں تو تھیں ہی ایک ایسی مونس اور غمگسار کی دائمی مفارقت کا قلق اور الم مزید برآں ہوا اور اس خبر نے گویا ان کے خرمن عیش پر بجلی کا کام دیا۔ چند روز بعد نوکری چھوڑ کر توکل بخدا لودیانہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور لودیانہ پہنچے ان کی اس وقت کی حیثیت کنگالی کو پادری نیوٹن صاحب نے اپنی کتاب تواریخ لودیانہ مشن میں یوں ظاہر کیا ہے۔ کہ جب وہ مشن بنگلے پر آئے تو ان کا لباس سیدھا سادہ اور صوفیانہ نہ تھا

بحیثیت طالب علم وارد ہوئے تھے اور ان کا منشا تھا کہ پریسبٹیری کی نگرانی میں علم آلہی کا مطالعہ کریں مگر پریسبٹیری کی عدم موجودگی سے پادری صاحبان مسٹر ولسن و نیوٹن مرحوم نے مسٹر کیمبل کو جو رفارمڈ پریسبٹیرین کلیسیا کا خادم الدین تھا اپنے ساتھ ملا لیا تاکہ ایک پریسبٹیری قایم کریں۔ غرضکہ پریسبٹیری قایم ہو گئی اور تینوں متذکرہ بالا صاحبان پریسبٹیری کی نگرانی میں آکر خادم الدینی کے عہدے پر ممتاز ہوئے۔ پھر یہی پریسبٹیری ۱۸۴۰ء میں لودیانہ کی پریسبٹیری کے نام سے قایم ہوئی ۱۸۳۶ء میں پادری جوزف کوول صاحب جو رفارمڈ پریسبٹیری کی طرف سے سہارنپور میں وارد ہوئے۔ اور مسٹر کیمبل اور کوول صاحبان نے ملکر ۱۸۳۶ء میں سہارنپور کی ایک پریسبٹیری قایم کی +

صاحبان موصوف پنجاب کی نسبت یوں لکھتے ہیں کہ اس ملک پر جہالت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا اور واقعی یہی حال تھا کیونکہ دیگر تواریخوں سے بھی ایسا ہی پایا جاتا ہے۔ سرکار انگلشیہ کے عہدنامے کے بموجب مہاراجہ رنجیت سنگھ دریائے ستلج سے لیکر تمام شمالی ہندوستان کا مالک واحد تصور ہوتا تھا ۱۸۳۹ء میں جو مہاراجہ کے سلطنت کا آخری سال تھا اس کی جاہ و حشمت کا آفتاب نصف النہار پر تھا کیونکہ خالصہ جی کی وہ ملکی زبردست طاقت جو ۱۶۷۵ء میں گرو گوبند سنگھ کے وقت شروع ہوئی تھی۔ وہ مہاراجہ کے وقت میں کمل ہو گئی ان دنوں پنجاب کی دینی اور اخلاقی حالت نہایت تنزل ہو رہی تھی۔ پنجاب کا ملک ہندوستان کا پھاٹک مشہور ہوا اور اس لئے یونانیوں آریوں اور تاتاری مغلوں کا ہمیشہ سے تختہ مشق بنا رہا ہے۔ رشیوں نے بھی غالباً اسی ملک میں شلوک وید وغیرہ بنائے۔ پھر محمدی حملہ آوروں نے ہندوؤں کے مندروں کو ایسا مسمار کیا کہ اس قسم کی عمارت کا نام و نشان تک مٹا ڈالا اور



بزور شمشیر دین اسلام کو پھیلایا پھر اسی ملک میں بابا نانک نے دینی اور سوشیل نفاق کو جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں دن بدن بڑھتا جاتا تھا دور کرنے کی کوشش کی لیکن گوبند سنگھ کے عہد میں اس کے خلاف ظہور میں آیا کیونکہ اُس نے اپنی تعلیم کو زمانہ کی ہوا کے موافق بدل ڈالا تھا۔ اور امن و صلح کے بجائے اپنے معتقد سکھوں کے دلوں میں جنگی ولولوں کی آگ لگا دی اور اپنے نام کا یہہ سکہ چلایا۔

دیگ و تیغ و فتح و نصرت بے درنگ ۵
یافت از نانک گورو گوبند سنگ

جیسا کہ مذکور ہو چکا ان دنوں کی مذہبی حالت سخت ابتر ہو رہی تھی۔ چنانچہ خان بہادر سید محمد لطیف صاحب نے بھی اپنی دلچسپ تواریخ پنجاب میں اس زمانہ کی حالت کا مفصلہ ذیل الفاظ میں یوں خاکہ کھینچا ہے کہ

"اس زمانہ کا مذہب سوسایٹی کی اخلاق کا مانع نہ تھا"

آگے چلکر مولف موصوف ملک کی اس حالت کا جس کو نصف صدی گذر چکی ہے اس کی موجودہ حالت سے مقابلہ کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں کہ۔

"دیکھا بادشاہ کے کان میں اس بیچاری ضعیفہ بڑھیا کا درد آمیز واویلا جس کی"
"رات دو پہر میں کٹی اور جو شاہی محل سے آدہ میل کے فاصلہ پر رہتی تھی پہنچا؟"
"اور کیا کسی نے یہہ بھی دریافت کیا کہ بادشاہی نوکروں یا کسی امیر یا افسر یا جمعدار"
"نے اس کو ستایا؟ اور کیا کبھی کسی نے اس بات کی بھی پرواہ کی کہ اس"

سی تکلیفیں اور طرح طرح کی آفتیں اور مصیبتیں ناقابل برداشت ہو گئیں تو ناچار گورو نانک نے ترک وطن کا ارادہ کیا اور ابھی ان کی عمر سترہ ہی برس کی تھی کہ چپ چاپ گھر سے اس طرح نکل کھڑے ہوئے جیسے کہ ان کو کبھی کچھ تعلق ہی نہ تھا۔ کچھ عرصہ تک تو وہ ممالک شمال مغربی میں گھومتے رہے پھر بنارس آئے۔ غالباً اس وقت ان کے پاس صرف ایک لوٹا اور ڈوری ہی تھی۔ گھر سے نکلنے کے بعد اس وقت تک وہ پنڈتوں اور بیراگیوں کی صحبت میں رہے۔ لیکن پوری دلجمعی نہ ہوئی۔ پھر الہ آباد میں آکر گنگا جمنا کے سنگم میں اشنان کیا۔ اس سے ثابت ہے کہ وہ اس وقت تک بھی دیوانہ وار حق کی تلاش میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ حقیقت میں اگر ان کی کتاب "متلاشی دین" کو غور سے پڑھا جاوے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ اس میں اپنی زندگی ہی کے اُس حصے کا خاکہ کھینچ رہے ہیں۔ اشنان کرنے سے بھی جب ان کے دل کی پھڑک دور نہ ہوئی تو انہوں نے اپنا جنیو اتار کر دریا میں پھینک دیا اور زبان سے یہہ فرمایا کہ پاپ کا اشنان کرنے آئے تھے بجائے اس کے تو بوجھ کا باعث اور گلے کا ہار ہوا اور لقب برہمن کی طرف مخاطب ہو کر یوں گویا ہوئے کہ تو بھی تو مجھکو فخر خاندان کی یاد دلاتا ہے مجھکو یہی ترک کر دوں تو اچھا ہے یہہ کہکر انہوں نے اس کو بھی دریا میں چھوڑا۔ چنانچہ جیسا کہا تھا ویسا ہی کیا بھی یعنے اس کے بعد جو ان سے ملا۔ اس کو اپنا نام صرف گورو نانک ہی بتلایا۔ پھر وہاں سے چلکر پنجاب کا ارادہ کیا۔ کچھ مدت دہلی میں رہے پھر سہارنپور میں آئے وہاں سے کرنال میں آکر سرکاری دفتر میں ملازم ہو گئے۔ اسی اثنا میں پادری نیوٹن صاحب جا کرنال کو دیوانہ جا رہے تھے۔ اُن دنوں ایک جگہہ سے دوسری جگہہ جانے کے لئے کوئی سڑک نہ تھی سڑک تو رہی ایک طرف کوئی چھوٹا موٹا رستہ بھی نہ دارد تھا۔ اس لئے مسافروں کو بڑی دقت



"دھیانے اپنی رات گریہ وزاری اور بھوکھ پیاس اور تنگدستی میں کاٹی"
"اور کیا اُس کی اندھیاری کوٹھری میں کوئی چراغ جلایا گیا تاکہ اُس کے"
"درد و دُکھ کے گھنٹے آرام سے بسر ہوتے" +

غرض کہ وہ زمانہ زمانۂ خود غرضی تھا بیماری کے وقت فقیروں اور درویشوں سے مشورے ہوتے تھے۔ عمل جادوگری کا سکہ جاری تھا پاپ مکش کے لئے بادشاہ سے لے کر فقیر تک گنگا اور جوالہ مکھی کی جاترا کرتے تھے ستی ہونے کا جگر خراش دستور ۱۸۲۹ء تک برابر جاری تھا ۱۸۳۹ء میں راجہ دھیان سنگھ کی بیوہ کا اپنے خاوند کے جنازے پر جان نثاری کرنا اہران تاریخ پر پوشیدہ نہیں۔ کہتے ہیں کہ خود مہاراجہ رنجیت سنگھ کی لاش کے ساتھ مذہبی طور پر چار رانیوں اور سات لونڈیوں نے سورگ کی اُمید پر اپنے آپ کو ستی کیا۔ اس دردناک نظارے کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مفصل حال یہ ہے کہ جس وقت لاش مرگھٹ کی طرف لیجا رہے تھے اور راستے میں ہزار ہا محتاجوں اور مسکینوں کے لوٹنے کے واسطے روپے پھینکے جاتے تھے چاروں رانیاں کہ جنہوں نے عمر بھر محل سے کبھی قدم باہر نہیں رکھا تھا باہر محل آئیں معمولہ حالت میں جنازے کے پیچھے پیچھے چلی جاتی تھیں۔ اس وقت اُن کی پوشاک سفید ریشم کی تھی اور زیور وغیرہ کا نام تک نہ تھا کیونکہ باہر نکلنے سے پہلے جہانتک ہو سکا زیورات و نقد و جنس اور پارچات وغیرہ تمام محتاجوں و غریبوں کو بانٹ دئے تھے۔ مگر ان میں سے ایک رانی جو اپنا سارا نقد و جنس بانٹ نہ سکی تھی لاش کے پیچھے پیچھے اُس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تقسیم کرتی چلی آتی تھی۔ یہ نقد و جنس ایک لوکرکے ہاتھ ایک تھالی میں رکھا ہوا تھا جو رانی کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ ہر ایک

کی روشنی افق سے نمودار نہیں ہوئی تھی۔ کہ ایک نوجوان بنگالی اپنے وطن عزیز کو الوداع کہکر دنیا میں وارد ہوا۔ اور ۱۸۳۲ء میں پادری جان نیوٹن کے ہاتھ سے اصطباغ پایا اس نوجوان کا نام نامی گولک ناتھ چیٹرجی تھا اور یہی وہ اولوالعزم مسیحی ہے جس کی سوانح عمری ہم لکھتے ہیں صاحب موصوف کے والد ذات کے کلین٭ برہمن اور ایک چا کے باغ کے مالدار مالک مقیم کلکتہ تھے +

اُن دنوں گورنمنٹ کو تعلیم کا مطلق خیال نہ تھا اور انگریزی تعلیم کا جو کہیں کہیں کچھ تھوڑا بہت چرچا تھا وہ پادری صاحبان کی جد و جہد کا نتیجہ تھا۔ اُنہوں نے انسانی ہمدردی کے خیال سے فائدۂ عام کی خاطر جابجا اسکول کھولکر صلائے عام دے رکھا تھا کہ جو چاہے علم کی دولتِ عظمیٰ سے مستفید ہو۔ چنانچہ اسی قسم کا ایک مدرسہ پادری ڈاکٹر ڈف صاحب نے بھی کلکتہ میں کھولا ہوا تھا۔ اسی مدرسہ میں پادری گولک ناتھ صاحب بغرض حصول تعلیم داخل ہوئے۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ مسیحی مذہب کی تعلیم نے بھی ان کے دل میں گدگدی سی پیدا کردی یہانتک کہ اُنہوں نے گھر میں انجیل مقدس کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ مسیحی مذہب کی صداقت ان کے دل میں جڑ پکڑتی گئی۔ آخرکار لوگوں میں بھی اس کا چرچا ہونے لگا۔ اور ان کے والد صاحب کے کان میں بھی اس کی بھنک پڑ گئی۔ والد نے ان کو اس خیال کے ترک کرنے پر بہت کچھ کہا سنا۔ یہانتک کہ ترغیب اور تہدید کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ بارہا ان کو کوٹھری میں بند کر دیا۔ طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں دیں لیکن جب یہ سب منصوبے بیکار ثابت ہوئے اور جبر و تعدی کی نت

نوٹ٭ کلین وہ براہمن ہیں جن کو مہاراجہ ادے سور نے قنوج سے بلاکر بنگال میں آباد کیا اور نیز ان کے مدارج اور مناصب بھی مقرر کئے۔ (مصنف) +

رانی کے ساتھ دو دو تین تین قدم کے فاصلے پر ایک آدمی آئینہ سامنے کئے اُلٹے پاؤں چلا جاتا تھا تاکہ رانیاں اپنے چہروں کو اُس میں دیکھ کر معلوم کر سکیں کہ چہرے پر کوئی غیر معمولی تغیر تو نہیں ہوا۔ آگے آگے ماتمی نقارہ بجتا جاتا تھا اور راگی دُنیا کی بے ثباتی کے راگ گاتے چلے جاتے تھے۔ اُن کے راگوں اور سازوں کی ماتم آمیز آوازوں سے تمام انبوہ پر ایک سناٹے کا عالم چھایا ہوا تھا۔ الغرض جب مرگھٹ میں پہنچے تو چتا پہلے ہی تیار تھی چتا پر چڑھنے کے لئے ایک سیڑھی لگی ہوئی تھی جس پر سب سے پہلے سردار اور صاحب چڑھے اور اُنہوں نے مہاراجہ کی لاش کو تختہ سے اُتار کر کمال عزت و تعظیم سے چتا پر رکھا۔ اس اثنا میں چاروں رانیاں بڑی جرات اور حوصلے سے آگے بڑھیں اور درجے کے مطابق سیڑھی پر چڑھتی گئیں اور اپنے شوہر کے سرہانے بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے مہاراجہ کے سر کو تھامے رکھا پھر وہ ساتوں لونڈیاں یکے بعد دیگرے چتا پر چڑھ کر مہاراجہ کے پاؤں کی طرف بیٹھ گئیں اور اُنہوں نے مہاراجہ کے پاؤں کو اُٹھائے رکھا۔ اس کے بعد اُن سب کو سرکیوں سے ڈھانپ لیا گیا۔ اور اوپر گھی تیل تھوڑے تھوڑے ڈالے گئے۔ تب شاہزادہ کھڑک سنگھ نے چتا کے چاروں کونوں میں آگ دیدی۔ چشم زدن میں آگ بھڑک اُٹھی اور اُس کے مہیب شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اور اُن کی آن میں وہ بیچاریاں مہاراجہ کی لاش کے ساتھ جلکر راکھ کا ڈھیر ہو گئیں +

مذکورہ بالا بیان سے صاف ثابت ہے کہ اُس وقت کی اخلاقی حالت کیسی ابتر تھی۔ شراب نوشی۔ عیاشی۔ اوباشی اور دیگر **بداعمالیوں** سے حضوری باغ کا محل اور شالامار باغ کی سنگ مرمری بارہ دری اور نفیس حوض اور سمن برج کا شیش محل **ناپاک** ہو رہے تھے۔ ہر ایک سکھ

سپاہی کی زبان پر یہہ پنجابی جملہ چڑھا ہوا تھا کہ۔ **"آئے نی نہنگ بوہا کھولدے نسنگ"** یعنے سکھ آگئے ہیں بے تامل دروازہ کھول یہہ کہتے تھے اور بے دھڑک گھروں میں گھس جاتے تھے۔ ہر ایک شریف کو اپنی عزت اور ناموس کی نسبت جان کے لالے پڑ رہے تھے۔ **طوایف الملوکی** اور **بدنظمی** بے چھاگردی سے رعایا کا ناک میں دم تھا۔ غرض کہ ان دنوں شریف سے لے کر ذلیل تک کو ہر وقت اپنی عزت و آبرو کا کھٹکا لگا رہتا تھا خونریزی۔ باہمی عناد۔ بیرحمیاں بدنظمیوں۔ فتنہ پردازیوں کا یہہ عالم تھا کہ سلطنت روما کے **نیرو** اور **طیبوگیو** لس کا زمانہ آنکھوں میں پھر جاتا تھا +

جبکہ پنجاب کی یہہ حالت تھی۔ اِس وقت چند پادری صاحبان برٹش گورنمنٹ کے سایہ حفاظت میں آکر شہر لودیانہ میں مقیم ہوئے۔ اِن پادری صاحبان سے پہلے کوئی ہندوستانی پادری پنجاب میں مقیم نہیں ہوا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پنجاب میں مسیحی مذہب کا کوئی نام تک نہیں جانتا تھا اُس وقت ملکی حالت کی یہہ کیفیت تھی کہ مغلیہ خاندان کا ٹمٹماتا چراغ اگرچہ دہلی کا برائے نام روشن تھا مگر تو بھی اس کی شاہانہ توقیر بدستور قایم تھی۔ کل پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قبضے میں تھا اور سندھ محمدی امیروں کے زیر حکومت تھا۔ لودیانہ حال ہی میں کمپنی کے قبضہ میں آیا تھا اور چاروں طرف سے ہندوستانی ریاستوں سے محیط تھا۔ ایسی حالت میں اِن پادری صاحبان کو تو گویا سیحون کی دیواروں کے محافظ سمجھئے۔ ان کی آنکھیں دعا اور اُمید کے ساتھ اُس آفتاب صداقت کے طلوع اور اُس کی ابتدائی کرنوں پر لگی ہوئی تھیں ایسی حالت میں جبکہ گمراہی۔ بت پرستی۔ جہالت۔ دروغگوئی اور گناہوں کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا رہا تھا اور ابھی تک مسیحی مذہب